



<https://www.facebook.com/groups/372605677178945/>



سہ، بھ، گھنڈہ * رشبہ، م، جھیلہ

اسنے آفتے جہاں، سنے بے کھ طرفے سے ایک، سُخنے طراز، رستم ایجاد تحریر
ایک، قارونے کھ کھانڈے، اُرسو کھ ایک، بینڈے بھنے تھنے لالہ خام کھانڈا نام

گیارہ بجے میں چند منٹ باقی تھے۔ ابھی اس اندیشے کا کوئی جواز
نہیں تھا کہ شاید وہ نہ آئے پھر بھی کرب بابا گھڑی دیکھ رہا تھا۔
انتظار کے بے رحم لمحات اس کے اعصاب پر سوار تھے۔ لا بُریری اس
ہر طرف کتابیں نظر آ رہی تھیں۔ یہ دنیا کی مشہور و مقبول کتابیں تھیں
مگر کرب کے لیے ان کا کوئی مصروف نہیں تھا۔ ملازمین سے ساری
کتابیں عرقید کے جبروں کی طرح جھانک رہی تھیں۔ چھت سے لگے
بڑے خانوں اندھیرے میں روشنیاں تعمیر کر رہے تھے۔ کرب بے مدد
قدم سے فالین پر ٹھل رہا تھا۔ فالین کی لمبائی وقت کی مسافت بن
گئی تھی۔ اسے خیال آیا کہ گھڑی کی سوئیاں کہیں ٹنگ کر نہیں گئی ہیں؟
مگر یہ بات نہیں تھی۔ دیواری گھڑی مل اور اس کی دستی گھڑی دونوں
امنائی قیمتی تھیں۔ اس نے باہر کا اندازہ کھلا چھوڑ دیا تھا تاکہ آنے
والا سید حالاً بُریری میں پہنچ جائے۔ آنے والے نے فن پر یقین دلایا
تھا کہ وہ ٹھیک وقت پہنچ جائے گا۔ کرب سرچنے لگا کہ وقت کی
پابندی سے آدمی کی تربت ارادی کا پتہ چلتا ہے جو شخص وقت کا

پابند نہ ہو اس سے یہ اُمید نضرل ہے کہ وہ کسی اور وعدے کا پابند ہوگا۔
گیارہ بجے میں اب صرف ایک منٹ رہ گیا تھا۔ کرب نے
گھونے والی زبرد ملائم کرسی پر بیٹھ کے سگریٹ سلگائی۔ کرسی روخنی سے
بہنی ہوئی رکھی تھی۔ نیم تاریکی میں کرب کا چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔
آنے والے کیلے اس نے دوسری کرسی خانوں کے بالکل نیچے رکھ دی۔
وہ اپنی قیافہ شناسی اور تجربے سے آنے والے کے تعلق صحیح اندازہ لگانا
چاہتا تھا۔ اس نے ایک طویل کش لے کر پرسکون نظر آنے کی کوشش
کی۔ ویسے بھی خوف زدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ آنے والا اس کیلے
ایک نر کر کی طمع تھا جیسے ہل ہوا ڈرائیڈ ہریا ملی ہو اسے طے شدہ
معادے پر ایک خدمت انجام دینی تھی۔
گھڑیل نے دھیمے سوں میں گیارہ بجے کی اطلاع دی۔ ٹن ٹن،
ٹن ٹن۔ ملاقاتی آ رہی گھنڈہ بجنے سے پہلے انداز لگایا۔ کرب نے اطمینان
عسوں کیلے شخص نہایت خاموشی سے آ رہا تھا۔ کرب نے اس کی پاپ
ٹنگ نہیں سنی، بلکہ تال تال سے بات تھی۔ لا بُریری میں داخل ہر کے
سہیل



www.facebook.com/sabang digest stories

کر بیٹے محض سر ملایا۔ گفتگو کا آغاز اس کی ترقیع کے مطابق
نہیں ہوا تھا، اس کی خواہش تھی کہ اجنبی کو مرعوب کر لے مگر وہ تو اس
کے سامنے خود مضطرب ہو رہا تھا۔ اجنبی کے گرد کریب کو موت کا
غیر مرئی سایہ سوس ہوا، اس کی آنکھوں میں زندگی بھی ہوئی معلوم ہوتی
تھی۔ کریب نے جیب میں ہاتھ ڈال کے ایک تصویر نکالی اور نورد
کی طرف بڑھا دی۔ نورد نے تصویر لے لی۔ اس کی انگلیاں کریب کی
انگلیوں سے ٹک رہیں کریب نے جلدی سے ہاتھ کھینچ لیا جیسے نازنگی
میں اس نے موت کے فرشتے کا سر و منہ لگا ہاتھ چھو لیا ہو۔ تصویر نیچے
گرنے لگی نورد نے غیر معمولی پھرتی دکھائی، تصویر فرش تک پہنچنے سے
پلے دوبارہ اس کے ہاتھ میں آگئی یہ یہ... یہ تو کوئی لڑکی ہے۔
اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ کریب نے کہا یہ کیا لڑکیاں
کو قتل کرنا تھا اسے اصل کے خلاف ہے؟
نہیں مگر ایسی حسین و زرخیز لڑکیوں کو مارتے ہوئے افسوس
ہوتا ہے۔

کریب چند لمحوں خاموش رہا۔ تو کیا تم یہ کلام نہیں کر سکر گے؟
میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ وہ بولا۔ کسی ایسے شخص کو قتل کر کے
خوشی ہرگز ہے جو دنیا کے لیے وبال بن گیا ہو یا کوئی ایسا شخص جو
بیار ہو، زخمی ہو، معذور ہو اور نہایت اذیت بھری زندگی گزار رہا ہو۔
اسے اذیت کی زندگی سے نجات دلانا انسانیت کی خدمت ہے لیکن
کسی حسین لڑکی کو اس کے دلچسپ ہوتا ہے بہر حال یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔
آپ کا کام ہر جانے کھلا لڑکی کا نام؟

اس نے دروازہ بھی اقتیاط اور آہستگی سے بند کیا۔ اس کے اطوار میں
تندیب و نازنگی تھی اس نے کسی ہتھیک کے بغیر دھیرے سے کہا۔ گڈ ایرنگ
مشر کریب؟
کریب نے منجھنے کا اشارہ کیا۔ وہ ایک دہلا پتلا، پرسکون اور
سخت جہان آدمی تھا اس کی عمر تیس پچیس برس ہوگی۔ آنکھیں سوج
میں گم تھیں اور چہرے سے مبرق قناعت کا ناظر تھا اس کا لباس خمیتی
السنے فیشن کا تھا اس کے برعکس کریب کے سوٹ وقت موسم
اور فیشن کے مطابق بدلتے رہتے تھے۔ دزدی کے لیے یہ ایک اعزاز ہوتا
تھا کہ مشر کریب نے اس کا سیاہا سوٹ پہنا ہے ملا کہ کریب ایک
دولت مند صنعت کار تھا، اسے لباس پر توجہ دینے کی فرصت ہی
نہیں تھی۔ اس کے سامنے بیٹھا ہر شخص عام آدمی تو نہیں تھا مگر کپڑوں
سے ما آدمی سلوم ہوتا تھا۔ اس کی حیثیت ٹائٹل بم کی تھی، ٹائٹل بم معینہ وقت
سے پہلے نہیں چھٹا۔ کریب نے اسے وقت کے تعین ہی کے لیے
بلا یا تھا۔

آپ نے مجھے طلب کیا تھا جناب! نورد نے کہا۔ کام بتائیے؟
کام بتانے سے پہلے میں یہ یقین دہانی چاہتا ہوں۔ کریب نے
کہا۔ کو تم دہری پشیرہ و قال ہو جسے میں نے طلب کیا تھا؟
معلن کیسے گا۔ آدمی برائے نام گیا۔ آپ کا یہ طریقہ کلمہ کہہ...
تم جیک کہہ رہے ہو۔ کریب سنبھل گیا۔ یہ سب جملے پشیرہ
قال کے الفاظ و خالص مجھوت۔
نورد نے کہا۔ آپ ملٹن پیپے میں وہی آئی ہوں۔

میل کر کے کرٹ کی توپری جیسے مگلاں نکالا۔

”آپ اسے کیوں قتل کرا رہے ہیں؟“ اس نے تصویر غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس نے کیا بگاڑ لیا ہے آپ کا؟“
”ان باتوں سے تمہیں سروکار نہیں ہونا چاہیے،“ کربیب مگلاں کاٹتے ہوئے بولا۔

”کیوں نہیں ہونا چاہیے۔ کیا آپ اپنی دولت سے سب کچھ کرا سکتے ہیں؟ خواہ میرے نزدیک وہ کام غلط ہو؟“
”یہ بات نہیں ہے۔ کربیب نے سنبھل کے کہا۔ ”ان تفصیلات سے تمہیں کوئی مدد نہیں ملے گی۔“

”قتل کے جزاوں طریقے جوتے ہیں۔“ نوراد نے کہا۔ ”مجھے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ کون سے معاملے میں کون سا طریقہ زیادہ محفوظ رہے گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ کربیب نے بہت غصہ سے کام لیا۔ نوراد اس کی ذہنی برتری قبول نہیں کر رہا تھا، ملاقات کے پہلے کی ہر تیاری بے کار ثابت ہوئی۔ کربیب نے گھنٹا کے کہا۔ ”میری ایک ہی بیٹی ہے۔ پامیلا۔“

”میرے تمام اداکار اور اداکاروں کی واحد وارث۔ اس کی خوشی میری خوشی ہے۔ پامیلا کی راحت و آسودگی کے سوا میری بے حساب دولت کا کوئی مقصد نہیں۔“ کچھ دن پہلے تک وہ بہت خوش تھی۔ اس کی شادی مارک نامی ایک نوجوان سے ہونے والی تھی، مارک

بر لحاظ سے اس کا بہترین رفیق ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ ایک ہنر مند، متدرب اور تعلیم یافتہ نوجوان ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ پامیلا اور مارک ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ اس صورت میں میرے بچے نہ چاہنے کا سوا

ہی نہیں تھا۔ مجھے اس رشتے پر بہت خوشی تھی مگر حالات اچانک بدل گئے۔ سلی نے جانے کیسے درمیان میں ٹپک پڑی۔ اس نے دیکھتے دیکھتے مارک کے دل کو داغ پر قبضہ کر لیا۔ مارک اتنا متلون نظر نہیں آتا تھا لیکن سلی کے ہر کلمے میں آکے اس نے پامیلا کو چھوڑ دیا۔ منگنی

ٹوٹ گئی۔ سلی مارک کی ٹکیا ہے، فالٹا نہیں آئی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ مارک کو پوری سچائی سے چاہتی ہو لیکن اس نے میری بیٹی کا سکھ چین چھین لیا ہے۔ پامیلا بہت دل ٹکستہ بہت مایوس ہے۔ اس نے زندگی میں دلچسپی یعنی چھوڑ دی ہے۔ کھانا پینا اور سونا

کھانا کھانا۔ میں اسے دوبارہ خوش و خرم دیکھنا چاہتا ہوں۔“
نوراد نے گریٹ کا آخری کش لیا اور ٹوٹا قالین پر ڈال کے جوتے سے سل دیا۔ کیا آپ نے یہ فرض کر لیا ہے کہ دوسری لڑکی نائے سے ہٹ جائے گی تو مارک پھر پامیلا سے آگے آئے گا؟“
”دنیا اُمید پر قائم ہے۔ کربیب نے کہا۔ بعد میں ایسے حالات پیدا کیے جاسکتے ہیں کہ مارک ٹوٹ آئے۔“
”لیکن فرض کیجئے یہ اُمید پوری نہ ہوتی تو؟“ نوراد ہنسنا شروع کر رہا تھا۔

اور آگے چل گیا تو سلی کا خون رائیگاں جلتے گا۔ کیا آپ کو افسوس نہیں ہوگا؟ مجھے تو یقیناً ہوگا۔“
”مجھے معلوم نہیں تھا کہ معاملے پر قتل کرنے والے بھی ایسے جذباتی ہوتے ہیں۔“ کربیب جھلا گیا۔

”معاذہ زندگی کا نہیں ہوتا۔“ نوراد نے وضاحت کی۔ ”مسئلہ حصول مقصد کا ہے۔ حصول مقصد کے لیے سب کچھ ہاؤز ہے مگر بے سبب تو چیزیں ہی کم نہیں ماری جاتی، آپ بھی نہیں مانتے ہوں گے۔“

”میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔“ کربیب نے کچھ دھنچکے سے کہا۔ ”طریقہ کار ایسا ہونا چاہیے کہ تمہارے ساتھ میری کامیابی بھی یقینی ہو جائے یعنی پامیلا کو مارک مل جائے اور تمہارے ضمیر پر بھی بوجھ نہ رہے۔“

”تم سلی کو مار کے چھوڑ دینا بلکہ اس کی لاش غائب کر دینا اگر اس کی لاش ڈھری رہی تو ممکن ہے نتیجہ ہماری توقع کے برعکس نکلے۔ تم خنجر گھونچو، گولی مارو یا گلا گھونٹو، یہ خبر مارک سے چھپی نہیں ہے۔“

”جائے واردات پر یا مردہ خانے میں سلی کی لاش شناخت کر لے گا پھر اس کی آفری رسوم میں بھی شریک ہوگا۔ اس طرح اس کے ذہن پر بہت بڑا اثر پڑ سکتا ہے۔ ممکن ہے وہ سلی کی موت پامیلا کے سر نہ ڈھکے۔“

”اگر اسے یہ بدگمانی ہو گئی کہ پامیلا نے سلی کو مارتے کا پتھر سمجھ کے بٹا دیا ہے تو وہ پامیلا کی طرف دوبارہ راجب نہیں ہوگا بلکہ اس سے متنفر ہو جائے گا۔ ہونا یہ چاہیے کہ سلی مارک کے نام ایک خط چھوڑ جائے۔ خط میں وہ لکھے کہ ڈیڑ مارک تم سے پہلے ایک اور نوجوان

میری زندگی میں آچکا تھا، اسے مجھ سے اور مجھے اس سے انیسیت تھی مگر وہ میں ایک دوسری لڑکی آگودنی نوجوان مجھے چھوڑ کر اس پر توجہ دینا ہو گیا لیکن یہ محبت پر مبنی نہ چڑھ سکی کیونکہ میرا سچا تھا اب میرا دوست مجھے چھوڑ گیا ہے لہذا میں تم سے محبت چاہتی ہوں مجھے معلوم کر دینا: کربیب نے گہری سانس لی۔ یہ خط مارک کو ہمارے گائے سے بھی اتنی خطرہ والی ہے اختیار کرنی ہوگی۔ کیا خیال ہے؟ تم سلی کو قتل کرنے سے پہلے خط لکھوا لو گے نا؟“

نوراد نے اثبات میں سر ہلایا۔ جیل بخشی کے وعدے پر تحریر مائل کی جاسکتی ہے اگرچہ اس کے بعد قتل کرنا زیادہ مشکل ہو جائے گا۔“
”خط لکھو لے کا معاوضہ لکھ لے لینا، ایک ہزار ڈالر۔ کربیب نے جیسے ایک الفاظ نکالا، اس میں کچھ ٹوٹ اور کچھ کے اس نے الفاظ اپنی طرف بڑھا دیا۔

”شکرت۔“ اجنبی کھڑا ہو گیا۔ آپ کا کام ہو جائے گا لیکن مقصد مائل ہوگا یا نہیں میں کچھ نہیں کہہ سکتا، بزرگوں نے کہا ہے۔۔۔“
”بزرگوں کی باتیں بزرگوں کے ساتھ دفن ہو گئیں۔“ کربیب ہلکی سی ہنس رہا تھا۔

”سب کچھ“

جنہی سکرایا یہ کیا سارے بزرگ غلط کہتے تھے بزرگوار ؟

اور خوش رکھنا چاہتا تھا۔ پامیلا کہتی تھی : ”یہ تمہارا ہی گھر ہے ڈارنگ !“
میرا سب کچھ اور کس کا ہے ؟

”یہ تو دست ہے مگر یہاں میں خلوت نصیب نہیں ہوتی۔ بڑا
ایسا لگتا ہے جیسے کوئی دیکھ رہا ہے۔“

”تم کیسی باتیں کر رہے ہو مارک !“ پامیلا رد ہونسی ہو گئی : ”ڈیڈی بڑا
اتیار پیشہ انسان ہیں۔ اگر یہ بات انہیں معلوم ہو گئی تو ہماری خاطر وہ خود
کیس اور منتقل ہو جائیں گے۔“ مارک خاموش ہو گیا۔

کریم ایک جہاں دیدہ آئی تھا، جوانی کے جذبات اُسے معلوم
تھے۔ وہ بیٹی اور دلا دے تھی الامکان دور رہتا تھا البتہ کھانا تیز سوتو
کھاتے تھے۔ کھانے کے دوران زیادہ تر ادھر ادھر کی باتیں ہوتیں۔ چلتے
وقت کریم اتنا ضرور پرچھ لیتا تھا کہ تم دونوں خوش ہو نا؟ کوئی تکلیف
تو نہیں ہے ؟

ایک روز مارک نے پامیلا سے پوچھا : ”تھکے ڈیڈی روزانہ
یہ سوال کیوں کرتے ہیں ؟ کیا ان کا خیال یہ ہے کہ ہم خوش نہیں ہیں
سخت تکلیف میں ہیں ؟“

”وہ اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔“ پامیلا نے مختصر جواب دیا۔
کریم ٹوٹا کاروباری مسائل میں الجھا جاتا تھا۔ اُس کے شب بے
انہی مصروفیات میں گزرتے تھے۔ وقت پر سونا، وقت پر دفن جانا اور
مزوری تقریبات میں شرکت کرنا۔ اُس نے کبھی چُپ کر کے دیکھنے کی
کوشش نہیں کی تھی کہ پامیلا اور مارک کیسی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اُسے
یقین تھا کہ گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے اس لیے اُس کی بیٹی اور
دلا دے بہت خوش ہوں گے۔ ایک روز اتفاق سے وہ پامیلا اور مارک
کی خواب گاہ کے سامنے سے گزرا۔ گھبراہٹ سے دوسرے کمرے سے گھوم کر رہا
تھا۔ چلتے چلتے اُسے پامیلا کی آواز سنائی دی۔ اُس کے قدم رک گئے۔
پامیلا زور زور سے کہہ رہی تھی : ”تم بھوٹ ہو بسے ہو مارک ! خود بتاؤ
کیا یہ بھوٹ نہیں ہے ؟“

”میں تجھیں کیسے یقین دلائوں پانی ! مارک کی آواز آئی۔“

”سے انسانی محبت ہے پہلے سے کہیں زیادہ۔“

”سہنے بھی دو۔ محبت تو دوسری ہوتی ہے یقین دلائے کی ضرورت
نہیں پڑتی۔“ پامیلا کا لہجہ زخم خوردہ تھا۔



مارک کا بہترین سیل

کریم لائبریری میں کاروباری فائیں دیکھ رہا تھا، اپنا کتہہ ازہ
ایک دھمکے سے کھلا۔ اس کی بیٹی پامیلا لائبریری میں داخل ہوئی۔ وہ
بہت خوش تھی، چہرہ دمک رہتا تھا۔ کریم نے بھاری مینک ہٹا کے غور
سے اُسے دیکھا۔ پامیلا اپنی ماں کے حسن و ثناء کی تصویر نظر آ رہی تھی وہی
سیاہ ریشیں بال اور بڑی بڑی آنکھیں : ”ڈیڈی !“ پامیلا بے اختیار مقلاتی
اور ڈر کر اُس کے گلے میں جھول گئی۔

کریم سکرایا : کیا بات ہے جی ! اُس نے عادتہ مذکر کا صیغہ
استعمال کیا : ”آج تم بہت خوش ہو۔ مجھے اپنی بصارت پر شک ہو رہا ہے۔“
”آج میں بہت خوش ہوں بہت خوش۔“ وہ رقص کے انداز میں
لہرائی۔

کریم نے سر کھجایا : ”تمہاری سال گرہ تو نہیں ہے کل ؟“
”اوہ !“ آپ کہتے بھل کر میں ڈیڈا ! وہ کھل کھلا کے ہنسی : ”سال گرہ
میں ابھی چھ مہینے پڑے ہیں۔ ذرا اپنا کان تو قریب کیجیے !“ اُس نے سرگوشی
کی : ”مارک !“

”مارک ؟“ کریم نے مصنوعی حیرت سے کہا : ”یہ تو غالباً جرمنی کا
سکہ ہے ؟“

”ڈیڈی !“ پامیلا کی سنجے ہنسی کا نمونہ تھی : ”مجھے نیل مارک اپس مل
گیا ہے۔ خبر ہے آج کیا ہوا ؟ وہ اچانک آگیا۔ مجھے یقین نہیں آیا میں نے
شرمندگی سے میرا ہاتھ تھام لیا اور صاف مائی مائی کی آنکھوں میں آنسو بھی تھے
وہ سخت ہشیمان تھا کہنے لگا : ”پامیلا ! میں بہت برا ہوں میں نے تم سے
بڑی زیادتی کی ہے مگر اب میں اپنے کیے کی سزا پا چکا ہوں۔ کیا تم مجھے
معاف کر سکتی ہو ؟“ پامیلا رک : ”میں بھلا کیسے انکار کرتی۔ کرنا تو چاہیے
تھا انکار کس سے تم ایک بار مگر ڈیڈی ! میں خود جذباتی ہو گئی تھی سب
کچھ بھول گئی۔ یہ دیکھیے :“ اُس نے اپنا ہاتھ کریم کی طرف بڑھایا اس کی
انگلی میں نچنے والی آنکھوں جیگر گارہی تھی۔ کریم سکرایا : ”مارک ! ہر بیٹا
تمہاری انگلی پھر آباد ہو گئی مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ چھوڑ کر جانے والا لڑکھا
اُسے تو دروازہ کھل دینا چاہیے، اسے اخلاقی مار کہتے ہیں !“

”اب دوسری خوش خبری :“ پامیلا کو دھمکے سے پوچھ گئی : ”انگے
ہینے ہم شادی کر رہے ہیں۔“ اُس کے دُعا تو مانے لگا : ”پلیس جیک ٹیٹس
کریم نے بے اعتباری کا ماتھا چُپ لیا۔

ہنی من سے لوٹ کر مارک اپنی بری پامیلا کو اپنے فلیٹ میں
رکھنا چاہتا تھا مگر پامیلا ضد کر کے اُسے اپنے محل میں لے آئی یہاں
دو بہن خواب گاہ ہیں تھیں اور خاؤس کی ایک فوج اٹلے کی منتظر رہتی
تھی مارک کو مال و مملکت کی کوئی خواہش نہیں تھی لیکن وہ پامیلا کو

سب رنگ

میرے تھارو ہم ہے۔ مارک نے سپاٹ آواز میں کہا۔

”وہم؟“ پامیلا جھنجھی۔ ”وہم نہیں ہے مارک! حقیقت ہے۔“

پہلے تجارتی محبت کی خوشبو فضا میں بسی رہتی تھی مگر اب.....
کریب سانس دے کر کھڑا رہا۔ اُسے مارک کے جواب کا انتظار تھا۔ وہ جواب جو یہ ثابت کرے کہ پامیلا واقعی وہم کا شکار ہے لیکن مارک کے بدلے پامیلا کی آواز آئی: ”کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟ بولو مارک!“
”آخر تم چاہتی کیا ہو۔“ مارک نے بیزاری سے کہا۔ وہ غالباً جان بھڑانا چاہتا تھا۔

”یہ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو؟“ پامیلا غمی سے بولی۔ ”میں تمہارے لیے کوئی اجنبی نہیں ہوں۔ تم میرے شوہر ہو۔ شوہر سے زیادہ کسے معلوم ہوگا کہ بیوی کیا چاہتی ہے؟ میں تمہیں چاہتی ہوں مارک! صرف تمہیں۔ ہر وقت ہر جگہ۔ میری زندگی کا مقصد صرف تجارتی قربت ہے لیکن تم میرے پاس رہتے ہوئے بھی مجھ سے دور رہتے ہو کیا تمہیں اس کا احساس ہے؟“
”پچھ دلوں سے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ مارک نے کھوکھلے انداز میں کہا۔

کریب نے انہوں سے سوچا۔ یہ کیا شخص ہے، سلیقے سے جھوٹ بھی نہیں بول سکتا۔ اپنی بیوی تک کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ شاید یہ اسی وقت ہوتا ہے جب جھوٹ بھی جھوٹ نہیں ہوتا۔

”ہاں ہاں!“ پامیلا نے طنز کیا۔ ”بھلا میرے ساتھ تجارتی طبیعت کیوں ٹھیک رہنے لگی۔ ہر وقت منہ سے ہر قسم کے لگاتے ہو پھر بھی کہہ رہے ہو طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ ٹی وی دیکھتے وقت تمہارے چہرے پر ہنسنٹ ہوتی ہے لیکن میری صورت دیکھ کے تم پر بیزاری کا دورہ پڑ جاتا ہے۔“

کریب نے دل میں کہا، کاش مارک تردید کرنے بھونڈے بن سے سہی۔ کیا مارک اتنا بھی نہیں کہہ سکتا کہ پامیلا! تم تو میری زندگی بڑا آدمی اپنی زندگی سے کیسے بیزار ہو سکتے ہو۔

”مارک! پامیلا رو پڑی۔ ”چپ کیوں ہو مارک؟ کیا تم پھر کسی اور کو چاہنے لگے ہو؟“ کریب کا دل ڈوبنے لگا۔

”پامیلا!“ مارک نے آکٹا ہٹ اور سختی سے کہا یہ خواہ مخواہ بات مت بڑھاؤ۔ کیا تم مجھے آوارہ سمجھتی ہو؟“

”نہیں مارک! میں بھلا تمہیں ایسا سمجھ سکتی ہوں لیکن ذرا دل پر ہاتھ رکھ کے کہو ایک بات تم مجھے پھوڑ کے سیلی کے نہیں ہر گئے تھے ہو سکتے ہیں اب کرنی اندلی..... پامیلا ہچکیاں لینے لگی۔

کریب میں زیادہ سننے کی تاب نہیں تھی۔ وہ لوٹ کر لائبریری میں آ گیا۔ اس کی محفوظ پناہ گاہ تھی۔ یہاں وہ کال یک سوئی سے اپنی شکست کے اسباب پر غور کر سکتا تھا۔ قاتل کے اندیشے بے بنیاد

نہیں تھے۔ سیلی کا خون دانگ لگ گیا۔ پامیلا کی خوشی کے لیے اس نے گیارہ ہزار ڈالر اور ایک زندگی قربان کر دی تھی۔ اس کے نزدیک پامیلا کی ناکامی مقدر کی بات نہیں تھی بلکہ مقدر دولت کا مطیع تھا۔ اس کی دانست میں دولت سے مقدر بدلے جاسکتے تھے۔ اچانک دروازہ کھلا کریب چونک پڑا۔ پامیلا دروازے میں ساکت و صامت کھڑی تھی۔ ”آؤ بیٹا! آؤ یہ کریب نے عداوتے کھلی اور ہنسنٹ ظاہر کی۔ میں قحطی کو یاد کر رہا تھا۔“

پامیلا اندر آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ قاتل نے اسی کرسی پر گیارہ ہزار ڈالر وصول کیے تھے۔ ”ڈیڈی!“ پامیلا نے گھوگرے آواز میں کہا۔ ”مارک اب مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ معلوم نہیں اُسے کیا ہو گیا ہے۔“
کریب نے اُسے تسلی دی۔ ”ایسا نہ کہو بیٹا! محبت میں ہنگامی تر ہوتی ہی ہے۔“

”یہ ہنگامی نہیں ہے ڈیڈی! اس کے دل دماغ پر اب بھی سیلی حاوی ہے۔“

”سیلی؟ مگر وہ تو..... اس نے ہونٹوں سے نکلنے والے سچ کا گلا گھونٹ دیا۔“ وہ تو اُسے چھوڑ کے جا چکی ہے۔“

”جلنے سے کیا ہوتا ہے۔ مارک کی محبت ترکم نہیں ہوئی۔ پامیلا نے کہا۔ مارک بھی تو مجھے چھوڑ کے چلا گیا تھا میری محبت کب کم ہوئی تھی؟“
”ہاں ممکن ہے کہ ابھی اس کے ذہن پر سیلی کا اثر ہو لیکن یہ عارضی بات ہے۔ وقت بڑا چارہ گزرتا ہے۔ مارک کب تک سیلی کو روک رہے گا۔“

”ساری عمر ڈیڈی! ساری عمر اب یہ رنگ اس کا بیچا کبھی نہیں چھوڑے گا۔“ پامیلا نے یقین سے کہا۔

”اگر تم ہی سمجھتی ہو تو فکر کی کیا بات ہے؟ کریب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”آگ ہو جاؤ مارک سے۔“

”آگ ہو جاؤ!“ پامیلا نے اپنے باپ کو شدید حیرانی سے دیکھا۔ ”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ڈیڈی!“

کریب کو پامیلا پر بہت ترس آیا۔ وہ اپنے دوسرے ہاتھ کرتی تھی، درد کا درماں اُسے منظور نہیں تھا۔ وہ نادان اور جذباتی تھی۔ اس کا برا بھلا کریب ہی کو سمجھنا تھا۔ اگر وہ تمہیں خوش نہیں رکھ سکتا تھا اس کے ساتھ رہنے سے کیا فائدہ؟“ کریب نے سمجھا دیا۔

”محبت فائدہ اور نقصان سے بلند ہوتی ہے۔ پامیلا نے کہا۔ ”شاید آپ نے کبھی محبت نہیں کی۔“

”دیکھو بیٹا! کریب نے شفقت سے کہا۔ ”جو محبت کبھائل نہ پہنچائے دکھ ہی دکھائے وہ محبت نہیں مل رہی ہے اور یہ تو آغاز ہے۔ آغاز ہی ازیت تک ہوتا رہا۔ کیا ہوگا۔ اپنی یک طرفہ محبت کے

سوائے تم کب تک جی سکتی ہو :-

”آخری سانس تک :- پامیلا نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔
 ”پامیلا! تم ابھی بچی ہو، نا تجربہ کار ہو، تمہیں یہ سب تجربات سے
 فائدہ اٹھانا چاہیے، ایک طرف محبت ایک نہ ایک دن نفرت میں
 بدل جاتی ہے۔ وہ وقت آنے سے پہلے علیحدگی اختیار کر لینی چاہیے :-
 ”مارک اور میں زندگی بھر کے ساتھی ہیں :- پامیلا نے اُنہی
 بونے کہا :- ہم نے عہد کیا تھا کہ موت کے سوا ہمیں کوئی جدائی نہیں کر
 سکے گا :- وہ جلی گئی، کرب سونچنے لگا، پامیلا ٹھیک کہتی ہے۔ اُسٹلے
 کا حل ہر ت ہی ہے۔

”کرب کو قاتل سے دوسری ملاقات کرنی پڑی۔ پہلی اور دوسری
 ملاقات کی درمیانی مدت اُسے ایک خواب معلوم ہو رہی تھی اس
 نے دس ہزار ڈالر کی گدھی اور ایک تصویر ملاقاتی کی طرف بڑھائی۔
 ”یہ مارک ہے۔ اس کا قتل محض ایک حادثہ نظر آنا چاہیے۔ بینراری
 نہیں ہے کہ حادثہ بھی ایک ہمارا دلالتی منہ ہو جائے۔ اس طرح صدمہ
 زیادہ ہوتا ہے۔“

ملاقاتی نے تصویر غور سے دیکھی :- اسے تکلیف محسوس کرنے کی
 حسرت نہیں ملے گی، فوراً مر جائے گا۔ آپ مطمئن رہیے :-
 ”ٹھیک ہے :- کرب نے سر ہلایا :- میری بیٹی کو صدمہ تو بہت
 ہوگا لیکن زخم کے علاج کے لیے فشر لگا تا ہی پڑتا ہے۔ پامیلا نے
 گی تڑپے گی مگر کب تک؟ زندگی سب کو عزیز ہوتی ہے مرنے والوں
 کے ساتھ کوئی نہیں مڑتا، ایک بار دہلیزا مٹھ روٹنے سے بہتر ہے۔
 پامیلا کرا بھی بہت جینا ہے :-“

”کیا آپ کی بیٹی اپنے محبوب اپنے شوہر کے بغیر جی سکتی ہے؟
 اجنبی سکرایا :- آپ نے خوب سوچ لیا ہے نا؟“

”نٹ اپ :- کرب بھنپا گیا :- معاوضہ وصول کرنے کے بعد
 تمہیں جرح کا کوئی حق نہیں سمجھے :-“

”جی سمجھ گیا :- اجنبی نے نیم بنیو لیے میں کہا :- بالکل سمجھ گیا :-
 ”کیا تم میرا خالق اٹا ہے ہو :-“

”نہیں جناب، مجھے یہ حق بھی کہاں ہے۔“

”نہایتیم یہ سمجھ ہے، ہر کہ میں پہلی غلطی کی تلافی دوسری غلطی
 سے کر لیا ہوں :- کرب نے ملاحت کی :- مگر میں نے پہلے غلطی کی
 تھی ناب کر لیا ہوں۔ اگر مارک کی خدادی سیل سے ہر جاتی تو بھی پامیلا
 خوش نہ رہتی، ادب مارک سے خدادی کر کے بھی پامیلا خوشی سے خروم ہے
 اس صحت میں مارک کو سیل ہی کے پاس کہیں نہ بھیج دیا جائے۔ جو
 پامیلا کی خوشی کا دشمن ہے میں اُس کا دشمن ہوں :-“

”میں کسی کا دوست کسی کا دشمن نہیں ہوں :- یہ ہر آدمی کی
 تعمیل کرنا ہے۔ آپ کے کناہیلی کو ہٹا دو میں نے عہد دیا، آپ کہہ سکتے
 ہیں مارک کو مار دو، میں مار دوں گا :- اجنبی رخصت ہو گیا۔

پامیلا دیر سے فالین پر بیٹھی تھی، آتش دھن میں شطرنج کھیل رہی
 تھی۔ پامیلا کا ہراساں کر چکا تھا، موت جسم زندہ تھا۔ اُس کی ذمّت
 دیکھ کر آسیب زدہ چاندنی یاد آتی تھی جو مرنے کے مقبروں پر سسکتی
 رہتی ہے۔ کرب اُسے مشکلی باندھ کر دیکھ رہا تھا، اُس کی رائے اب
 بھی یہی تھی کہ پامیلا کا غم علانی ہے۔ اُسے خوش رکھنے کے لیے کرب
 بہت کچھ کر چکا تھا اور اب بھی بہت کچھ کرنے کا اہل تھا۔

”یکایک پامیلا کی بھڑائی ہوئی آواز ابھری :- ڈیڈی :- اُس کی
 نظریں آگ پر گڑی ہوئی تھیں :- مارک کہاں چلا گیا؟“

پامیلا :- بات کئی مرتبہ پوچھ چکی تھی۔ کرب نے بے چینی سے
 پہلو بدلا۔ اُس کے لیے یہ سوال بہت آسان بھی تھا اور بہت مشکل بھی
 اُس نے اپنی بیٹی کی گنت جوابات دیے تھے مگر پامیلا ان کو کیا مطمئن
 ہوتی وہ خرد مطمئن نہیں تھا، پامیلا نے آتش دھن سے نظریں ہٹا کر اس
 کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں :- ڈیڈی، کیا آپ کو بھی نہیں معلوم کہ
 مارک کہاں ہے؟“

پامیلا کرا بھی طرح معلوم تھا کہ مارک مر چکا ہے پھر بھی یہ بات
 اُس کے ذہن سے باہر نکل جاتی تھی۔ کرب نے اُسے دلاسا دیا :- مارک
 ذرا باہر گیا ہے بیٹا، آتا ہی ہوگا :-

”وہ اکیلا کیوں چلا جاتا ہے؟ پامیلا نے شکایت کی :- میں
 انتظار کرتی رہتی ہوں۔ مجھے بتائیے وہ کہاں گیا ہے؟ میں بھی ماٹل
 گی وہاں :-“

”باہر موسم ٹھیک نہیں ہے اور تمہاری طبیعت بھی خراب ہے :-
 کرب نے اسٹگی سے کہا۔

باہر نیلے آسمان کے نیچے ہمارا کی پہلی دھوپ بکھری ہوئی تھی
 لیکن کرے کی بندھنوں پر بھاری بھاری پڑے پڑے تھے۔ اور
 ہوا میں خشکی رچی ہوئی تھی۔ گری قبیلوں کا تدمر آجلا کرے میں پہل
 رہا تھا، پامیلا نے اپنا سر بازوؤں میں چھپا لیا، کرب بے حس و حرکت
 بیٹھا تھا۔ اُس کے خیالات منتشر تھے، پامیلا دنیو دنیو اُنہی سے بے خبر
 جھپٹ رہی اب نہ ہنسی اُس کا تھا، نہ حال نہ مستقبل بہت دیر بسنگ
 نے سر اٹھایا :- ڈیڈی، کیا مارک ابھی تک نہیں آیا؟“

”آجائے گا، ہاں :- آجائے گا :- کرب نے مشکل سے کہا۔
 ”بھوٹ :- پامیلا جھپٹ پڑی :- میں کتنی مہنہ یہ بھوٹ ہے آپ
 خود کیونے یہ بھوٹ ہے یا نہیں؟“

کریم ہو کھلا گیا: نہیں بیٹا، نہیں:-

”بس رہنے دیجیے۔“ پامیلانے زہراؑ کو دلچسپی میں کیا۔ آپ مجھے
بے وقوف بنا رہے ہیں۔ میں سب کبھتی ہوں۔ مارک اب کبھی نہیں
آئے گا۔ وہ مر چکا ہے۔“

کریب کے ذہن کو جھٹکا لگا۔ وہ مغلوں جبرگیا مگر چند لمحوں میں
اُس نے خود پر قابو پالیا۔ یہ یہ تم کیا کہہ رہی ہو پامیلا! شاید تم کچھ
پریشان ہو جاؤ، مہا کے سوجھاؤ۔“

پایسلا آتش دان کے سامنے سے اُٹھ گئی وہ ہند میں ملنے والے
مرضی کی طرح اُس کے سامنے آئی۔ آپ سمجھتے ہیں میں پاگل ہو گئی
ہوں؟ اُس کی آنکھوں میں وحشت و دیرانی تھی۔ ڈیڑی اچھے اب
ہم مارک کی موت کا یقین نہیں تھا، میں اسے ایک بھیاں خواب
سمجھتے تھے لیکن وہ چمک بھمک کئے بغیر بولتی گئی۔ لیکن یہ کوئی
خواب نہیں تھا۔ میں نے دیکھا تھا، مارک کا ایکسی ڈنٹ ہو گیا ہے،
وہ مر گیا ہے۔ پھر ہم سب نے اُسے تابوت میں ڈال دیا، تابوت ایک
سیاہ گھٹی میں رکھا گیا۔ تابوت پر پھول ہی پھول تھے تھے نا ڈیڑی؟ پھر
ہم قبرستان پہنچے۔ وہاں ہر طرف صلیبوں کے دامن میں مارک ہی مارک
گرٹے تھے میرے مارک کا تابوت بھی وہاں گڑ گیا۔

”پایلا ڈار لنگ! تم نے واقعی خراب دیکھ لیا ہے، ایسے حقیقت
بھلو کر یہی نے بچوں کی طرح اُسے سمجھایا۔“

پامیلانے انکار میں گرجن بلائی۔ یہ حقیقت ہے میرے پیارے
 ڈیوی: ایسے کوئی نہیں جیسا کہ اسکا۔ تاکہ مرچکا ہے مگر میں زندہ ہوں۔
 وہ اب کبھی نہیں آئے گا مگر میں زندہ ہوں۔ وہ مجھ سے دُور ہو کے
 سیلی کے پاس جانا چاہتا تھا کیونکہ اسے مجھ سے نہیں سیلی سے محبت تھی
 پامیلا! پلینز پامیلا! ہوش میں آؤ: یہ کرب نے بڑے ضبط سے
 ما۔ پامیلا کی حالت دیکھ کے اس کا دل خون رو رہا تھا۔ پامیلا کا ہر
 لفظ نثرین کے اُس کے سینے میں اتر رہا تھا۔

”میں ہوش میں ہوں ڈیڑی؛ پامیلانے مضبوطی سے کیا۔ ہوش
میں ہوتی تو اتنی بے رحم حقیقت کا اعتراف کیسے کرتی۔“
”ہاں کہہ تو تم سے بے پناہ محبت تھی میرا مطلب ہے.....“
فی نہیں ہے۔“

تو حق مجھے معلوم ہے۔ پامیلانے کہا۔ اُسے پہلے واقعی مجھ سے
 بت تھی مگر یہ جب کہ بات ہے جب وہ سلی سے نہیں ملا تھا۔ سلی
 سے مل کر وہ سلی کا برگشتہ ج بھی وہ میرا نہیں سلی کا ہے۔

مگر سب تو... کریب نے کھانس کے گلا صاف کیا۔ ملک نے
مے شادی کر لی تھی صاف ظاہر ہے وہ سیلی کر بھول چکا تھا۔
پایلا سکھائی کریب کو اس کی سکراہٹ فٹلڈی معلوم ہوئی

ایک بے جان منحوس مسکراہٹ : شادی : پائیلا جانی نامہ میں نہیں۔
 "شادی کیا چیز ہوتی ہے ڈیڈی؟ مارک نے شادی کر کے دھواہٹ
 کی کرشمش کی تھی مجھے آپ کو اور اپنے آپ کو نگرہ سیلی کو دھواہٹ دینا
 اُس کے بس میں نہیں تھا۔ آخر اُس نے ہار مان لی اور سیلی کے پاس چل
 گیا۔ آؤ وہ مجھے چھوڑ گیا، اپنی بری کو جس سے اُس نے بڑے مہربان
 کیے تھے۔ وہ زبردست سے بولی۔ اُس کے مہربان چھوٹے تھے، غمزہ
 چھوٹے ہوں یا سچے۔ یہ اس دنیا کی باتیں ہیں جہاں ہون میں ادا آپ
 رہ گئے ہیں۔ وہ دونوں تو ساری دیواہیں گرا کے، ساری زبیر یہ تو نہ کے،
 ہم سب کی قید سے نکل کے آپس میں مل گئے ہیں : اُس نے آسمان کی
 طرف انگلی اٹھائی : آؤ پر سیلی پہلے سے موجود تھی۔ اب مارک بھی وہیں
 ہے۔ اب انھیں کرنی فکر نہیں ہے۔ وہ اپنی محبت سے مرہ ہو گئے
 ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں سیلی کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی، بھواس کہتے
 ہیں، بھلا کوئی عورت مارک کو چھوڑ سکتی ہے؟ مارک جس کا بڑا
 اُسے اور کیا چاہیے۔ ہاں مارک ذرا ہرجائی تھا ڈیڈی : وہ سیلی سے
 بھی اُٹا گیا ہو گا، سیلی سمجھ گئی ہو گی کہ مارک اُس کا نہیں ہو سکتا، اُس نے
 مارک پر اپنی زندگی قربان کر دی۔ محبت اور کیا ہوتی ہے اِسی کو تو محبت
 کہتے ہیں۔ وہ جیتے جی مارک کو نہ پاس کی ہو گیا ہو اُس نے مر کے ہمیشہ
 کے لیے اُسے پالیا۔ سیلی بھی بری طرح ایک عورت تھی۔ میں مارک کے بغیر
 زندہ نہیں رہ سکتی تو وہ کیسے رہ سکتی تھی : اُس نے خود کشی کر لی ہو گی۔
 پھر اُس نے مارک کو بھی اپنے پاس پٹالیا۔ دونوں بہت خوش ہیں محبت
 جیت گئی ہے میں ہار گئی ہوں : اُس کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔
 جو محبت کی بازی ہار جائے اُسے زندہ رہنے کی ضرورت نہیں ہے اُسے
 مرنا چاہیے۔ مجھے بھی مرنا چاہیے :"

[illegible]

میں مارک کے پاس جانا چاہتی ہوں ڈیڑی! پامیلا نے خود
کلائی کی کمریہ کواں کی آواز کسی اندھے کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔
اُس نے دہشت سے پامیلا کو دیکھا یہ اُس کی ہنستی مسکراتی پامیلا نہیں
تھی! پامیلا کی لاش تھی۔ لاش آہستہ آہستہ آتش دہن کی لہروں پر تھی۔ کمریہ
اُسے بھڑکتے شعلوں کے قریب بیٹھنے دیکھا اور باوجود بھڑکے ہاتھ، پامیلا
ہمیشہ کی طرح آج بھی آتش دہانی کے سامنے ہلکے عجیبانے گی اور
شعلوں کا آتش دیکھنے لگے گی۔ اگلے اگلے اُسے مارک کا چہرہ نظر آتا ہے۔
ایک حالت ایک شعلہ مالدار کی کمریہ پر جھونک دیا۔ پامیلا
سہانگ

نقد سے چلائی۔ مارک: اور آتش دان میں کو دگئی۔ آتش دان بڑا نہیں تھا مگر پامیلا اس میں سمٹ گئی، ساگنی، کریب دیوانہ وار چنچا: پامیلا! وہ ایک جست میں آتش دان تک جا پہنچا۔ اس نے وحشیانہ قوت سے پامیلا کو آگ سے چھین لیا مگر آگ پامیلا کے کپڑے لپیٹ میں لے چکی تھی، کریب کے ہاتھ جھلس گئے تھے اُسے نفعی احساس نہیں ہوا۔ وہ پیارا اور غصے سے پامیلا کو ڈانٹ رہا تھا۔ بے وقوف، نادان! وہ آگ بجھا۔ ان کوشش بھی کر رہا تھا مگر صرف ہاتھوں سے آگ سرد کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے اپنا کوٹ آٹا کے پامیلا کے گرد لپیٹ دیا اور جھکڑا ہاتھ میں آیا، اس پر ڈال دیا، آفرآگ بجھ گئی۔ پامیلا نیم بے ہوشی میں کراہ کراہ کے مارک کو پکار رہی تھی اور تکلیف سے ہلکا رہی تھی۔ یہ... یہ تم نے کیا کر لیا بیٹا! میری جان! تم نے یہ ظلم کیوں کیا اپنے باپ پر؟ وہ پامیلا کو قالین پر لٹا کے ٹیلی فون کی طرف دوڑا۔ اس کی انگلیاں تیزی سے ڈانٹرڈی کے صفحے چلنے لگیں، ہسپتال، ڈاکٹر، ایمرینس۔ پامیلا ایک مکر وہ و بدنما دھیر کی طرح پڑی تھی جلتے ہوئے گوشت کے جھکے اٹھ رہے تھے۔ کریب کو تسلی ہونے لگی، اس کا ہاتھ دک گیا۔ اس کوشش سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس نے غیر ارادی طور پر ایک اور نمبر ملایا۔

ملاقاتی کریب کو قابلِ رحم نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

میں تھیک کہہ رہا ہوں۔ کریب کی آواز دُندھ گئی۔ ایک بار پھر سوچ لیجیے۔ ملاقاتی نے جلدی سے کہا۔ کہیں میں آپ پریشان نہ ہوں۔ اس فطری کی تلافی ممکن نہ ہوگی۔ فطری؟ کیسی فطری؟ کریب نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔ میں صرف ایک بار سوچتا ہوں۔ مجھے آج تک اپنے کسی فیصلے پر پشیمانی نہیں ہوئی۔

پامیلا نے دوبارہ خودکشی کی کوشش نہیں کی۔ ہر سکتا ہے اس کی ذہنی کیفیت بدل چکی ہو اور اس نے زندہ رہنے کا فیصلہ کر لیا ہو؟ کریب نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اندھے مرچکی ہے۔ ڈاکٹر میں نے اُسے بچا بھی لیا تو کچھ نہیں ہوگا۔ وہ اُسے ذمہ گتے دیں گے۔ لیکن کیا زندگی کی خوشیاں بھی دے سکتے ہیں۔ اس کی حالت بہت ناانگ ہے مجھے تو اس کا بچنا محال نظر آتا ہے۔ میں اس کا ترہپنا، اس کی تکلیف نہیں دیکھ سکتا۔ اب بھی اُسے اُدھے بچا سکتے ہو۔

سوچ لیجیے ہو سکتا ہے علاج کا اگر رجحان ہے۔ وہ پرلا زندگی موت سے بر حال بہتر ہوتی ہے۔

کیس زندگی؟ کیس کی زندگی؟ میری پامیلا پھسل کی قہقہہ کی طرح

سُرخ تھی، تروتازہ تھی۔ یہ بدہمت پامیلا میری پامیلا کی جگہ نہیں مل سکتی تھی معاوضہ لراورد یہ کام کر ڈالو۔ اس نے دس ہزار ڈالر قابل کی طرف بڑھائیے۔ اگر... وہ دل گرفتہ لہجے میں بولا: اگر آپ فیصلہ کر چکے ہیں تو مجھے بہت افسوس ہے بیٹا! کریب اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ میں چاہتا تھا، تم خوش رہو مگر خوشی شاید بھاری قیمت میں نہیں تھی۔ میں تمہیں خوشی نہیں دے سکا مگر تم سے تو نجات دلا سکتا ہوں۔

دیوانہ گھر کی اونچی دیواریں کریب کو گھیرے ہوئے تھیں، نورا گتہ کال کو ٹھہری معلوم ہوتی تھی، سب اپنی زندگی کی آخری سانس تک کریب کو بیس رہنا تھا۔ اس کی فرد جرم نوشتہ دیوار تھی۔ ہر طرف اس خون کے چھینٹے تھے جو رائیگاں گیا تھا۔ یہ بات رفتہ رفتہ کریب کی سمجھ میں آ رہی تھی کہ سرت ایک احساس کا نام ہے دولت کی طرح اس کا کوئی مادی وجود نہیں۔ وہ اپنی خیر دولت سے اپنی اکلوتی بیٹی کے لیے خوشی نہیں خرید سکتا۔ وہ اُسے چھوڑ گئی۔ کریب اکیلا رہ گیا۔

دوازہ آہستہ سے کھلا۔ ملاقاتی اندر آ گیا۔ کریب نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا: آؤ، بیٹھو۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے پاس آنے والا آخری آدمی ہے اس کے بعد کوئی نہیں آئے گا۔ اسے بھی اس نے خود قتل کیا تھا۔

ملاقاتی فانوس کے عین نیچے کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ حکم؟ اس نے سرد اور سپاٹ آواز میں کریب سے پوچھا۔ کریب اس کی طرف پشت کیے اندھیرے میں کھڑا تھا۔ گھڑی کی ٹک ٹک میں اس کی آواز ابھری۔ جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟

اس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا: مجھے اندازہ ہے۔ تمہارا اندازہ درست ہے۔ کریب نے کہا: میرے دس ہزار ڈالر رکھے ہیں، اٹھا لو۔ چند منٹ خاموشی میں گزر گئے کریب کی آواز سنلے میں ابھری۔ تم دیوالہ تو لائے ہو گے؟

جی۔ وہ اس سے مزید کچھ نہ کہہ سکا۔ دُعب۔ میں چاہتا ہوں شروع کی تکلیف کم سے کم ہو۔ کریب نے کہا: دیوالہ میری کنپٹی پر رکھ کے گولی چلا دو، جلدی کرو۔ بہتر ہے۔ کام آپ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ وہ کرسی سے اٹھ گیا۔

